از مولانا اصلاح الدین حقانی
استاذ حدیث دار العلوم وانا وزیرستان

عورت کی سربراہی کا مسئلہ اور مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کی آئینی مساعی

عورت کی حکمرانی کی طرح مولانا عبدالحقؒ اسمبلی میں خواتین کی موجودگی کو بھی خلاف اسلام، خلاف فطرت اور مصلحت سے بعید سمجھتے تھے، آپ کو اسلامی سلطنت کے آئین کی اساسی مجلس میں ناقصات العقل والدین صنفِ نازک کے وجود پر اعتراض تھا، آپ نے عورت کی سربراہی کی مخالفت کے ساتھ ساتھ اسمبلی میں خواتین کی رکنیت کے خاتمہ کے لیے بھی بھرپور آئینی جہاد کیا۔

عورتوں کے حقوق کے بارے میں بڑے حساس تھے۔ اور ان کو ان کے جائز حقوق دلوانے کے لیے آپ نے مقدور بھر کوششیں بھی کیں۔ اسمبلی کے اندر اور اس کے باہر ہر موقعہ پر بے جا پابندیوں اور ان کی ناحق شناسیوں کے خلاف سرحد کے بعض علاقوں کے کٹر روایت پسند ماحول میں بھی صدائے حق بلند کیا۔ حتیٰ کہ اس موضوع پر آپؒ کی تقریروں سے بعض مقامات پر جاہل روایت پسند رواجات میں گھرے مسلمان نالاں بھی رہتے تھے۔ ان کے خیال میں مولانا مرحومؒ کی تقریروں سے عورتوں کے بے لگام ہونے کا خدشہ تھا۔ جبکہ آپ نے عورتوں پر ناجائز مظالم کے خلاف آواز اٹھائی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ حکومت کی سطح پر عورتوں کے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کے ازالہ کے لیے آپ نے اسمبلی کے اندر انتھک کوششیں کیں۔

چنانچہ ۱۴ ستمبر ۱۹۷۲ء عائلی قوانین کے بارے میں قومی اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

خواتین کا احترام اور ان کے حقوق کی حفاظت کا سب سے پہلے اسلام ہی نے حکم دیا ہے۔ اور اسلام ہی نے وراثت میں عورتوں کا حصہ رکھا ہے۔ آپ کو کیا معلوم کہ یہ علماء ہی کی کوششوں کا تو نتیجہ ہے۔ کہ انگریزوں کے دور یعنی ۱۹۳۵ء سے لے کر اس وقت تک صوبہ سرحد کی عورتوں کو میراث میں شریعت کے مطابق حصہ ملتا ہے۔ عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کہیں ہماری بہنیں یہ نہ سمجھ لیں کہ اس جانب جو لوگ بیٹھے ہیں۔ وہ خدانخواستہ عائلی قوانین کی اس لیے مخالفت کرتے ہیں۔ کہ ان کے قلوب میں صنف نازک کے لیے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔[1] اسی تقریر کے دوران آگے فرمایا۔

موجودہ معاشرے میں عورت کو وہ مقام حاصل نہیں جس کا حکم اسلام دیتا ہے۔ اسلئے وہ ہمیں اس معاشرے کی اصلاح کرتی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک کی معاشرتی حالت بھی آپ کے سامنے ہے۔ چنانچہ اسلام نے معاشرے کی اصلاح کی اس لیے معاشرے کی وجہ سے قوانین الٰہیہ کو بدلا نہیں جاسکتا۔ نکاح پر پابندی مت لگایئے۔ بلکہ عدل اور قانون کے دروازوں کو آسان بنایئے۔ تاکہ شہر اور محلے میں جس عورت کو اپنے شوہر سے یہ گلہ ہے کہ وہ اپنی دوسری بیوی کو تو ریشم کے کپڑے لاکر دیتا ہے۔ اور اسے اچھی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ لیکن پہلی بیوی پر کما حقہ توجہ نہیں دیتا۔ تو وہ اس پر حقوق زوجین کے تحت کسی شہری عدالت میں دعویٰ کر سکے۔ اور عدالت اسے جبراً پہلی بیوی کے حقوق ادا کرنے کی ہدایت دے سکے۔ آخری بات دیکھنے کی یہ ہے کہ کیا ایک عورت کسی ایسے مرد سے کہ جس کی بیوی ہے۔ اپنی مرضی سے نکاح کرکے اس کی بیوی بننا چاہتی ہے یا بالجبر۔ اگر وہ اپنی مرضی سے نکاح کر رہی ہے تو آپ اس کے نفس اور اس کے اختیارات پر قدغن لگانے والے کون ہیں اور اسے کیوں روکتے ہیں۔ یہ عورت پر ظلم نہیں تو کیا ہے ؟

معلوم ہوا کہ عائلی قوانین عورتوں کے حقوق غصب کرنے۔ اور ان پر مظالم ڈھانے کی مثالوں سے پر ہیں[1]

مزید فرمایا۔

ایک شوہر مہینوں ایک بیوی کے گھر میں نہیں رہتا۔ ایک بیوی کو ریشم کے کپڑے اور ایک کو کھدر کے کپڑے دیتا ہے۔ کھانے پینے میں بھی فرق کرتا ہے۔ لیکن اسلام اسے پابند بناتا ہے کہ دوسری بیوی کا آنے کے بعد جس نظر سے وہ اس کو دیکھے گا۔ اس کے مطابق وہ پہلی کو بھی دیکھے گا۔ ہمارے پاس شرعی قوانین اور تعزیرات ہیں۔ ہم عدالتی کارروائی کے ذریعے اس شوہر کو قید کر سکتے ہیں۔ اس کو سزا دے سکتے ہیں اور جبراً اس سے اس کا حق لے کر دلوا سکتے ہیں۔ تو اس صورت میں پہلی بیوی کی بھلائی ہوگی۔ میں مانتا ہوں کہ خواتین پر ظلم

---

[1] قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ ص ۲۱۲

[1] قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ ص ۲۱۲، ص ۲۱۳

نہیں ہونا چاہیئے۔ ہر انسان کو ہر مرد کو اور ہر عورت کو اس کے حقوق دینے چاہئیں۔

اس وقت ملک میں مردم شماری ہو رہی ہے۔ چند دنوں میں رپورٹ سامنے آجائے گی۔(۲) میرا خیال ہے کہ عورتوں کی تعداد زیادہ ہے اگر فرض کیا جائے کہ مرد اور عورتیں برابر بھی کم ازکم دس لاکھ آدمی پاکستان میں ایسے ہوں گے۔ جو نکاح کے قابل نہیں کیونکہ وہ غریب ہیں۔ وہ ان کے کھانے کا بندوبست نہیں کر سکتے تو شریعت انہیں نکاح کرنے پر مجبور نہیں کرتی۔ تو اس طرح جو دس لاکھ مفلس ہیں۔ اور افلاس کی وجہ سے شادی نہیں کر سکتے تو اس کے مقابلے میں دس لاکھ عورتیں بچیں گی۔ آپ نکاحِ ثانی ممنوع قرار دیتے ہیں۔ تو اس صورت میں دس لاکھ عورتیں کیا کریں گی۔؟ مجبوراً داشتائیں بن کر گلی کوچوں میں پھریں گی۔ کچھ مرد مریض بھی ہوتے ہیں۔ نامردی میں بھی مبتلا ہوتے ہیں۔ جو شادی کے قابل نہیں ہیں۔ فرض کیا ایسے مردوں کی تعداد پاکستان میں دس لاکھ ہے۔ تو دس لاکھ عورتیں کیا کریں گی؟[۱]

۱۸ دسمبر ۱۹۷۲ء کو جب قومی اسمبلی کی خاتون رکن بیگم نسیم جہاں نے خواتین کی حیثیت متعین کرنے کے لیے ایک کمیشن کے قیام سے متعلق اپنی قرارداد پیش کی۔ اس قرارداد کا لب لباب حقوقِ نسواں کے نام سے بے لاگ آزادی کا مطالبہ کرنا تھا۔ تو حضرت مرحوم نے عورت کے بارے میں اسلام کا رویہ، فطری قوانین اور عورت پر اسلام کے عظیم احسانات کی توضیح کرتے ہوئے مفصل تقریر فرمائی۔ جس کے آخر میں آپ نے فرمایا۔

ہم نے یورپی تہذیب کی تقلید میں اور جہالت کی وجہ سے اسلام کو ہوّا سمجھ لیا ہے۔ ایک اور بات یہ ہے کہ حقوق الگ چیز ہیں۔ اور اس نام پر آزادی اور ترقی پسندی الگ چیز ہے اسلام عورت کو بے پردگی کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ خطرات سے مقابلہ ہے۔

آپ دودھ، گوشت بلی کے سامنے رکھ کر یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ اس میں دخل اندازی نہ کرے۔ اسلام عورت کو غنڈوں، بدمعاشوں، بلیوں اور کتوں سے محفوظ رکھنا چاہتا ہے۔ وہ اسے ہیرے اور جواہرات کی طرح حفاظت کی چیز سمجھتا ہے۔ آج ہم عورت کی تذلیل دیکھ رہے ہیں۔ مغربی تہذیب کی وجہ سے وہ شمع محفل بن گئی۔ ٹکے ٹکے کی چیزوں پر اس کی ننگی تصویر، صابن پر اس کی تصویر، ہر چیز کے بیچنے کے لیے عورت کو استعمال کیا جا رہا ہے۔ اخبارات میں اس کی عریاں اور بے ہودہ تصویر چھپتی ہے۔ ہر مرد کی نگاہ ہوس اس پر پڑتی ہے۔ اور اسے یورپ نے کھلونا بنا دیا ہے۔ یہ ترقی نہیں۔ تحقیر اور تذلیل ہے۔ میں بیگم نسیم جہاں کی قرارداد پر گزارش کروں گا۔ کہ بے شک عورتوں کی حیثیت کا کمیشن بنایا جائے۔ حق طلب کئے جائیں مگر وہ حقوق جو اسلام کے دائرہ میں ہوں مخلوط تعلیم نے اور بازاروں میں گھومنے پھرنے سے عورت پر ظلم ہو رہا ہے۔ اسلام نے حج جیسی عبادت کے لیے بھی عورت کو بغیر محرم سفر کرنے کی اجازت نہیں دی۔ یہاں بیرونی دوروں اور تفریحات کو حقوق کا نام دیا جا رہا ہے۔ بہرحال میں اس قرارداد کے سلسلے میں مطالبہ کرتا ہوں کہ عورتوں کی ان تمام سرگرمیوں اور ترقیوں کو اسلام کے دائرہ میں لایا جائے۔ جو اسلامی احکام کے خلاف ہیں[۱]

آپ خواتین پر ناقابل برداشت بوجھ ڈالنے کے قائل نہ تھے اور اسی وجہ سے خواتین کو سخت اور محنت طلب مناصب سے دور رکھنے کی کوشش کی۔ بیگم نسیم جہاں نے اسمبلی میں خواتین کے لیے رضاکار تنظیموں کے قیام کی تجویز پیش کی تو مولانا نے فرمایا۔

اگر خدانخواستہ عورتوں کی ایسی رضاکار تنظیمیں آج بھارت کے قبضہ اور قید میں ہوتیں تو ہمارا کیا حشر ہوتا اور خواتین افواج کے ہاتھوں ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ ہوتے[۲]

عورت کو جو تقدس اسلام نے دیا ہے اس کی بحالی کے لیے آپ نے بار بار اسمبلی میں اس بات پر زور دیا کہ ناچ گانے اور کلبوں کی لعنت کو ملک سے ختم کرنا چاہیئے۔ اور عورتوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے وہ اسلامی اقدار کے احیاء کا مطالبہ کرتے رہے۔

لیکن بایں ہمہ وہ مرد کے دوش بدوش عورت کو کام کرنے کی اجازت دلوانے اور عورت کو مرد کا ہم پلہ بنانے کے سخت خلاف تھے۔ وہ ہر شعبہ میں عورت اور مرد کی کلی مساوات کو فطرت کا مقابلہ سمجھتے تھے۔ اس لیے وہ اس مساوات کو مشروط و محدود کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ ۱۵ مارچ ۱۹۷۳ء کو اسمبلی میں آئین کے دفعہ ۳۶ پر بحث کرتے ہوئے آپ نے فرمایا۔

دفعہ ۳۹ سے (صنف نازک اور مرد کی عدم مساوات کے سلسلے میں) ہماری تائید ہوتی ہے۔ وہاں تو تمام شعبوں میں عورت کو مکمل مساویانہ حیثیت دی گئی ہے۔ اور یہاں یہ کہا گیا کہ بچوں اور عورتوں کو بعض ایسے پیشوں پر مامور نہ کیا جائے گا۔ تو اس سے صاف ظاہر ہو گیا۔ کہ بعض شعبے ایسے

---

[۱] قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ ص ۲۱۴، ص ۲۱۵۔

[۱] قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ ص ۲۱۹، ص ۲۲۰

[۲] قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ ص ۱۵۹

بھی ہیں - جو عورتوں کے لیے مناسب نہیں - تو عورتوں کو کلی (۴) طور پر مساویانہ حصہ دینا فطرت سے مقابلہ ہے ....

تو اس لیے یہ تناقض رفع کیا جائے - اور وہ اس طرح کہ دفعہ ۲۶ کی دی گئی کلی مساوات ختم کی جائے فرق مراتب ہر لحاظ سے ضروری ہے[۴۹]

اس سے اگلے روز آئین کے دفعہ ۴۲ میں ایک ترمیم پر تقریر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا :-

کل ایک محترمہ نے تجویز پیش کی ہے - کہ خواتین کے لیے ہر شعبہ میں حصہ ہونا چاہیئے - یہاں تک کہ افواج میں بھی - تو میں کہتا ہوں آج ہماری ۹۳ ہزار فوج کافروں کے قبضہ میں ہے - خدانخواستہ اگر یہ عورتیں ہوتیں - تو آج ایسی فوج کا کیا حشر ہوتا - اور ہمارے لیے کتنی بدنامی ہوتی - ہمارے لیے دنیا میں رہنے کی صورت ہی نہ ہوتی[۵۰]

جنس مذہب اور وطن میں عدم امتیاز کے سلسلے میں آئین کے دفعہ ۲۶ کے تحت حضرت مرحوم کی ترمیم میں بھی اس بات پر زور دیا گیا تھا - کہ (فحاشی اور بد اخلاقی کی روک تھام کے لیے) اس دفعہ میں امتیاز برتنے کی گنجائش رکھی جائے - اسی طرح آئین کے دفعہ ۲۷ کے تحت ملازمتوں اور انتخابی عہدوں پر نسل و مذہب اور جنس و ذات وغیرہ کی بنا پر امتیاز کی نفی کی گئی تھی - چنانچہ یہ دفعہ اپنے عمومی لحاظ سے کافروں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو بھی ملک کی صدارت تک پر فائز ہونے کا جواز مہیا کر رہا تھا - فریضۂ حق کی ادائیگی کے لیے اس مقام پر بھی مولانا مفتی محمودؒ اور مولانا عبدالحق ؒ کی مشترکہ ترمیم ۲۸۴ میں "ماسوئی کلیدی آسامیوں" کے الفاظ شامل کرنے کا مطالبہ کیا گیا -

دیگر امور کی طرح حضرت شیخ الحدیث اسمبلی میں خواتین کی موجودگی کو بھی خلاف اسلام ، خلاف فطرت اور مصلحت سے بعید سمجھتے تھے - آپ کو ایک اسلامی سلطنت کے آئین کے اساسی مجلس میں ناقص العقل والدین صنف کے وجود پر بھی اعتراض تھا - چنانچہ آپ نے اسمبلی میں عورت کی رکنیت کے خانہ کو آئینی حیثیت دینے کی بھی کوشش کی -

آئین کے دفعہ ۵۴ شق ۲ کے تحت جب خواتین کے لیے اسمبلی کی دس نشستیں محفوظ کرنے کا ذکر آیا - تو مولانا مرحوم نے اپنی ترمیم ۵۵۳ پیش کرتے ہوئے عورتوں کی ایوان میں نمائندگی کی سرے سے مخالفت کی اور دفعہ ۵۴ کی مذکورہ شق کو حذف کرنے پر زور دیا -

جہاں تک ملک کے سربراہ کا مسئلہ ہے تو اس سلسلہ میں بھی مولانا مرحوم کی رائے غیر مبہم تھی ۔ مارچ ۱۹۷۳ء کے آئین ساز مباحث میں آئین کے دفعہ ۴۲ میں حضرت مرحوم کی ترمیم ۲۴۱ کے مطابق صدر مملکت کم از کم (۵) چالیس سال کا مسلمان مرد ہونا چاہیئے - اپنی اس ترمیم پر تقریر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا -

ترمیم کی دوسری قید کے بارہ میں عرض کرتا ہوں - وہ یہ کہ صدر مملکت مسلمان مرد ہو - مسلمان کی قید ضروری ہے اس لیے کہ جب ملک اسلامی ہے - تو اسلامی ملک میں اسلامی شریعت کا نافذ کرنے والا اسلامی قوانین کا نافذ کرنے والا - اسلامی قوانین کو جاری کرنے والا صدر وہ شخص ہونا چاہیئے - جو ان قوانین پر ایمان رکھتا ہو اور اگر وہ اس پر عقیدہ نہ رکھتا ہو - اور یہ جانتا ہو کہ یہ چیزیں نعوذ باللہ صحیح نہیں ہیں تو وہ پیغمبر کا جانشین کیسے ہو سکتا ہے - اور ان چیزوں کا نفاذ کیسے کر سکتا ہے - اور مسلمان تب ہی گا - جب ان چیزوں کو صحیح جاننے کے بعد پھر ان کو نافذ کرے -

ایک چیز اور باقی ہے - اور وہ یہ کہ امیر مملکت ایسا شخص ہوگا - جو مرکز شجاعت ہو - جو کہ بھارت کا مقابلہ کر سکے - جو کہ دوسرے موقعوں پر کافروں کا مقابلہ کر سکے - مورچوں پر بھی موقعہ پر جا سکے - تو وہ شخص ظاہر بات ہے کہ صنف نازک (عورت) سے نہیں ہو سکتا - بلکہ مرد میں یہ صلاحیتیں پائی جا سکتی ہیں[۵۱]

مزید فرمایا

یہاں میں آپ کے سامنے ایک حدیث پیش کرتا ہوں کسریٰ کی بیٹی جب تخت نشین ہوئی - اور آنحضرت ﷺ کو یہ بتایا گیا - تو انہوں نے فرمایا - لن یفلح قوم ولّوا امرھم امرأۃً (ترجمہ) ہرگز فلاح نہیں پائے گی وہ قوم جس کی حکمران عورت ہو ، چنانچہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں اس کو شکست ہوئی -

برطانیہ کی حکومت اتنی عظیم تھی کہ اس میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا - بلکہ جب سے ملکہ وکٹوریہ اور الزبتھ تخت نشین ہوئی تو سلطنت پر زوال آنے لگا - اور بالآخر وہ ایک جزیرہ میں محصور ہو کر رہ گئی - تو خدا نے مردوں کو جو شجاعت دی ہے - ظاہر بات ہے - کہ وہ صنف نازک کو عطا نہیں ہوئی اور وہ کسی طرح بھی ان ذمہ داریوں کو پورا نہیں کر سکتی ہے[۵۲]

اس سلسلے میں سب سے واضح بات وہ ہے - جو کہ آئین کے دفعہ ۴۲ پر بحث کرتے ہوئے ۱۶ مارچ ۱۹۷۳ء کو مولانا نے اسمبلی کے اندر کہی - انہوں نے فرمایا -

---

۴۹ - قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ ص ۱۲۵

۵۰ - قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ ص ۱۲۶

۵۱ قومی اسمبلی میں اسلامی کا معرکہ ص ۱۲۷

۵۲ قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ ص ۱۲۸

(باقی ص ۵۷۰ پر)